© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

صحیح سمتِ سفر

آزاد خارجہ پالیسی ' معاشی خود انحصاری

پروفیسر خورشید احمد

جنرل پرویز مشرف کی سول ' ملٹری حکومت ابتدائی تشکیلی مراحل سے گزر کر اب کچھ واضح شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ چیف ایگزیکٹو نے ملک اور ملک کے باہر متعدد پالیسی بیانات کے ذریعے اپنے مقاصد اور اہداف کو ایک حد تک متعین شکل میں پیش کر دیا ہے۔ نیز مرکز اور صوبوں میں نئی حکومت کے چہرے کے خدوخال بھی خاصی حد تک نمایاں ہو گئے ہیں۔ جلد بازی میں دیے گئے چند بیانات اور اقدامات کی بھی کسی نہ کسی درجہ میں توضیح اور تصحیح کی کوشش کی گئی ہے اور اب سرکاری موقف نسبتاً زیادہ احتیاط اور اعتماد سے پیش کیا جانے لگا ہے۔

اختیارات کے حصول کو چاہے ابھی چند ہفتے ہی ہوئے ہوں لیکن نئی قیادت میں اس کانٹوں سے بھری راہ کا کچھ نہ کچھ بہتر شعور پیدا ہونا بھی ایک فطری توقع ہے۔ پریس کی آزادی اور سیاسی سرگرمیوں کے مواقع نئے انتظام کو غلط راہوں پر بھٹکنے سے روکنے میں اور غیر ضروری تجربات کرنے سے بچانے میں بڑا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ بین الاقوامی دباؤ نہ صرف یہ کہ موجود ہے بلکہ ایک حد تک گھمبیر ہوتا جا رہا ہے اور اس بات کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی ہے کہ قومی سطح پر کھلی بحث و گفتگو کے ذریعے ملک اور اس کی قیادت کو قومی مقاصد کے حصول کے راستے پر قائم رہنے اور چلنے کے لیے مشورے ' رہنمائی اور احتساب کے عمل کو زندہ رکھا جائے ' تاکہ نئی ٹیم تجربے کی کمی یا بیرونی دباؤ کے تحت کوئی غلط اقدام نہ کر ڈالے۔

جنرل پرویز مشرف اور ان کی ٹیم کو اصلاح احوال کا ایک نادر موقع ملا ہے۔ قوم نے بحیثیت مجموعی ۱۲ اکتوبر کے اقدام کا خیر مقدم کیا ہے اور بیرونی قوتوں کی آتش نوائی اور روایتی مراکز قوت کی سرد مہری کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باوجود ملک کے عوام، بیرون ملک پاکستانیوں اور بڑی حد تک دنیا بھر کے مسلمان عوام نے نئی قیادت کے لیے کلمہ خیر کہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ایک تو پچھلی حکومتوں کی مجرمانہ کارگزاریاں اور ناقابل معافی ناکامیاں ہیں تو دوسری طرف فوج کے بارے میں حسن ظن اور چیف ایگزیکٹو کے بیانات میں ان مسائل اور اہداف کا اعلان و اظہار ہے جو دراصل اس وقت پاکستانی قوم کا بالخصوص اور امت مسلمہ کا بالعموم حقیقی ایجنڈا ہیں۔ نیز جس اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے گھناؤنے کھیل نے فوجی قیادت کو ۱۲ اکتوبر کو فوری اقدام کے لیے مجبور کیا وہ بھی رائے عامہ کو اس کے حق میں استوار کرنے کا سبب بنا ہے۔

ان تمام عوامل نے مل کر نئی قیادت کے لیے گھر کو سنوارنے، عوام کے دکھوں کا مداوا کرنے اور ملت اسلامیہ پاکستان کے تاریخی عزائم کو بروئے کار لانے کے لیے بڑا سازگار ماحول پیدا کر دیا ہے۔ یہ ایک ایسا ہی موقع ہے جیسا ۱۹۴۷ء میں حصول آزادی کے بعد بڑے خوش گوار ماحول میں اور ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کھو دینے اور بھارت سے شکست کھانے کے بعد بڑے ناخوش گوار حالات میں تعمیرنو کے لیے اس وقت کی قیادتوں کو حاصل ہوا تھا۔ بدقسمتی سے قائداعظمؒ کی وفات اور مسلم لیگ کی قیادت پر مفاد پرست سول، ملٹری اور سیاسی عناصر کے قبضے نے اولین دور میں، اور جناب ذوالفقار علی بھٹو کی ہوس اقتدار اور بیرونی نظریات سے عشق نے دوسرے دور میں اصلاح اور تشکیل جدید کے تمام امکانات کو معدوم کر دیا۔ آج پھر قوم ماضی کی سول اور ملٹری حکومتوں سے مایوس ہو کر مایوسی، گھٹن اور انتشار کا شکار ہو چکی تھی کہ حالات نے ایک ایسی کروٹ لی جس نے فوجی قیادت کو میدان میں قدم رکھنے پر مجبور کر دیا۔ ہم سمجھتے ہیں اگر نئی قیادت وقت کے تقاضوں اور قوم کی اصل امنگوں اور ضرورتوں کا صحیح ادراک کر لیتی ہے تو ملک کی گاڑی کو کامیابی کے ساتھ پٹڑی پر ڈالا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ مقصد نہ آپ سے آپ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ اس منزل کی طرف پیش قدمی ذہنی تحفظات، بے اعتمادی، عدم مشاورت اور بیرونی دباؤ کے تحت ممکن ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ اور الدین نصیحۃ (دین نام ہی خیرخواہی اور صحیح مشورے کا ہے) کے اسلامی حکم کے جذبے کے تحت چند باتیں قوم اور اس کی قیادت کے سامنے واضح طور پر رکھ دی جائیں--- وما علینا الا البلاغ۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسلمان کی قوت کا اصل سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے دین اور امت مسلمہ سے وفاداری کا تعلق ہے۔ اقبال نے ہماری پوری تاریخ کو ایک جملہ میں بیان کر دیا ہے: ''میں نے اپنی تاریخ کے مطالعہ سے ایک ہی سبق سیکھا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں نے اسلام کا تحفظ نہیں کیا، یہ اسلام ہے جس نے مسلمانوں کو ہمیشہ بچایا اور محفوظ و مامون رکھا ہے''۔

اس وقت ملک پر اور خصوصیت سے نئی قیادت پر تین بڑے بڑے دباؤ (pressures) ہیں۔ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بین الاقوامی سیاسی دباؤ جو امریکہ کے عالمی عزائم اور منصوبوں کا حصہ ہے۔ وہ پاکستان کو ایک ایٹمی قوت سے آراستہ مضبوط اسلامی ملک کی حیثیت سے ابھرتا دیکھنا نہیں چاہتا۔ دوسرا معاشی دباؤ جو ماضی کی معاشی پالیسیوں کا نتیجہ ہے مگر جس نے بیرونی دباؤ کے مقابلے میں ملک کی قوت برداشت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اور تیسرے ملک کے اندر وہ اقلیتی مگر بہت متحرک اور فعال لابیز (lobbies) جو عوام کے ایمان' جذبات اور عزائم کے مقابلے میں محدود سیکولر اہداف یا عالمی ایجنسیوں کے لیے کام کر رہی ہیں۔ جو خود ملک کی فوج کو بھی ایک مضبوط جہادی قوت نہیں دیکھنا چاہتیں بلکہ طرح طرح سے ایسے راستے دکھاتی ہیں کہ فوج ایمان' تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ کے موٹو (motto) سے ہٹ جائے اور فوج اور عوام میں یک رنگی و ہم آہنگی باقی نہ رہے۔

ان تینوں رجحانات کا صحیح ادراک اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ پر بھروسا' دین حق سے وابستگی اور وفاداری اور مسلمان عوام کی طاقت کو منظم اور متحرک کرنا وقت کی ضرورت ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ نئی قیادت نے صاف الفاظ میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ قرارداد مقاصد قومی سلامتی کا اصل محور اور مرکز ہے۔ پالیسی سازی کے لیے قرآن و سنت سرچشمہ ہدایت ہوں گے اور پاکستان کی منزل اور ہدف کا وہ تصور ہو گا جو علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے پیش کیا تھا اور جس پر پاک و ہند کے مسلمانوں نے تحریک پاکستان کی حمایت کی تھی۔ یہی آج بھی پاکستان کے مسلمانوں کی اصل منزل اور ان کی امیدوں کا مرکز ہے۔ اس بارے میں مکمل یکسوئی ہونی چاہیے اور ہر نوع کی ژولیدہ فکری' تضاد بیانی اور ذہنی تحفظات کا دروازہ بند ہونا چاہیے۔ اسلام کے دائرے میں بے پناہ آزادی فکر و عمل ہے اور اسلام بہترین شورائی اور فلاحی نظام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ مسلم امت کو نہ کسی دوسرے نظام اور نظریے کی ضرورت ہے اور نہ یہاں کوئی اور کلمہ چل سکتا ہے۔ اس پہلو سے نئی بحثیں شروع کرنا' فتنہ و فساد کا ذریعہ بن سکتا ہے جو بہت نقصان کا سودا ہو گا۔ اس لیے بحث کا یہ باب بند ہونا چاہیے اور ساری توجہ اسلام کے اصولوں کے مطابق اور اقبال اور قائداعظم کے قوم سے عہدوپیمان کی روشنی میں صحت مند پالیسیوں کی تشکیل اور ان پر خلوص اور محنت سے عمل پر مرکوز ہونی چاہیے۔

اقبال نے بہت واضح انداز میں کہا تھا کہ:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

اور یہ کہ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

۱۹۳۷ میں قائداعظم کے نام اپنے خط میں انھوں نے لکھا تھا:

اسلامی قوانین کے گہرے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس قانون کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو کم از کم ہر شخص کے لیے روزی کا حق محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اس ملک میں جب تک ایک مسلم ریاست کا قیام نہ ہو' اسلامی شریعت کا نفاذ ممکن نہیں۔

قائداعظم نے بھی صاف لفظوں میں کہا تھا: "پاکستان کا قیام' منزل نہیں ایک ذریعہ ہے--- اصل منزل اسلامی نظریہ ہے"۔ قائداعظم کے ۱۹۳۷ سے ۱۹۴۸ تک ایک نہیں تقریباً دو سو بیانات موجود ہیں جن میں اس منزل کی واضح نشان دہی کی گئی ہے۔ جناب شریف الدین پیرزادہ نے اپنے ایک انٹرویو میں اس سلسلے کے سارے اعتراضات اور شبہات کا مدلل جواب دیا ہے اور صاف کہا ہے کہ قائداعظم آخری لمحے تک اس موقف پر قائم تھے کہ پاکستان کی تعمیر اسلامی اصولوں کی روشنی میں ہونی چاہیے اور یہ کہ پاکستان کو اسلامی دنیا کے لیے ہی نہیں' پوری تیسری دنیا کے لیے نمونہ ہونا چاہیے اور یہ نمونہ جس ماڈل پر قائم ہو گا' وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز حکومت ہے۔ حتیٰ کہ مصطفیٰ کمال کے سلسلے میں بھی قائداعظم نے ایک ترک وفد کے سامنے خود مصطفیٰ کمال کا بیان پیش کیا تھا کہ ترکی پہلی جنگ عظیم کے بعد اپنی کمزوری کی وجہ سے سیکولرزم قبول کرنے پر مجبور ہوا تھا اور فلسطین میں اسرائیلی ریاست کے قیام کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی موت سے کچھ ہی قبل مصطفیٰ کمال نے کہا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو وہ خود صلاح الدین ایوبی کی طرح اس کے خلاف جنگ کریں گے (شریف الدین پیرزادہ کا انٹرویو امپیکٹ انٹرنیشنل ' لندن' اگست ۱۹۹۵)

دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کے بھروسے اور اسلام سے قوت حاصل کرنے کے ساتھ ہماری دوسری ترجیح عوام کا اعتماد' ان کے جذبات و احساسات کا پاس' ان کے مسائل اور مشکلات کے حل کی فکر' ان کے عزائم اور تمناؤں کا احترام اور انھیں منظم و متحرک کرنا ہونی چاہیے۔ یہ ملک ۱۴ کروڑ مسلمانوں کا ملک ہے' چند باحیثیت جاگیرداروں' سرمایہ داروں اور بیوروکریٹس کا نہیں۔ اگر خدا کی خوش نودی کے بعد اور اس کے تحت کسی اور کی خوشنودی مطلوب ہے تو وہ عوام کی ہے۔ بااثر طبقات یا بیرونی طاقتوں کی نہیں۔ اس وقت فوج کی وحدت اور امت پاکستان کی وحدت اور ان دونوں کے درمیان مکمل ہم آہنگی دنیاوی اعتبار سے ہماری قوت کا سب سے اہم سرچشمہ ہے۔ دونوں کے اتحاد اور ہم آہنگی کو قائم رکھنے ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ملکی ترقی اور ملی استحکام کا راز پوشیدہ ہے۔ مخالفین کی کوشش ہوگی کہ عوام کے درمیان اختلافات رونما ہوں، فوج میں بھی دراڑیں پڑیں، اور فوج اور عوام کے درمیان ہم آہنگی اور یک رنگی ختم ہو۔ ہمیں ڈر ہے کہ حکومت کے ناتجربہ کار افراد بھی اس سلسلے میں ایسی غلطیاں کر سکتے ہیں کہ نئی قیادت اس جال میں پھنس جائے۔ اس لیے ہم بروقت متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ عوام کا اعتماد اور عوام اور فوج کی ہم آہنگی ضروری ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عوام پر اعتماد کیا جائے، انھیں مشورے میں شریک کیا جائے، ان کی مشکلات، مسائل اور جذبات اور احساسات کو سمجھا جائے، ان سے ربط رکھا جائے۔ خود اپنی قوم سے ربط، اپنے عوام کے دل میں اتر کر ان کو سمجھنا اور ان کو ساتھ لے کر چلنا، بیرونی دوروں سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ دورے کافی ہو چکے اور اگر بہت ہی ضروری ہو تو کم سے کم وقت صرف کر کے اہم ممالک (مثلاً چین اور ایران) کا دورہ کر لیا جائے، لیکن اصل میدان پاکستان ہے، اصل قوت پاکستانی عوام ہیں، اصل کامیابی ان کی خوش نودی، تائید اور خدمت ہے۔ ترجیحات میں یہ تبدیلی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

عوام کی تائید و تعاون کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ چند چیزوں کا مکمل احترام کیا جائے یعنی:

۱۔ اسلام اور قومی اہداف کے بارے میں کوئی غیر ضروری بحث نہ شروع کی جائے۔ اصل ضرورت اسلام پر بحث کی نہیں، عمل کی ہے۔ اس طرف قدم اٹھائیں۔

۲۔ احتساب کے عمل کو بے لاگ اور شفاف ہونا چاہیے اور کسی کے ساتھ بھی ناانصافی نہیں ہونی چاہیے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام عناصر کو خواہ وہ کتنے ہی مضبوط اور چالاک کیوں نہ ہوں، جو ملک کو لوٹنے اور اس کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کے ذمہ دار ہیں، کم سے کم وقت میں کیفرکردار تک پہنچایا جائے۔ یہ عوام کے دل کی آواز ہے۔

۳۔ ملک میں ظلم، ناانصافی، لاقانونیت، لوٹ کھسوٹ اور حق تلفی کا ایک ظالمانہ شیطانی نظام اوپر سے نیچے تک قائم ہو چکا ہے، اسے بڑی حکمت کے ساتھ اور بزور طاقت ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔ تمام قوت اداروں کو مضبوط کرنے اور تمام افراد کو قانون کے تابع بنانے میں لگائی جائے اور جواب دہی، کھلی حکمرانی اور خدمت کے کلچر کو عام کرنا چاہیے۔ اس کی مثال اوپر سے قائم ہو لیکن اسے ہر سطح پر بروئے کار لانا چاہیے۔ اس سلسلے میں آغاز کی ضرورت ہے، پھر یہ عمل خود آگے بڑھے گا، لیکن بارش کا پہلا قطرہ جلد برسنا چاہیے، تب ہی حبس کی یہ فضا ختم ہو سکے گی۔

۴۔ عوام کے حقوق، پریس اور الیکٹرانک میڈیا کی آزادی، نیچے کی سطح تک اختیارات کی نیچے کی سطحوں کی طرف جلد منتقلی اور تعلیم، خوراک، صحت کی سہولتوں کے انتظام کی طرف توجہ دی جائے اور پوری انتظامی مشینری کو ان خدمات کی فراہمی کے لیے سرگرم عمل کیا جائے تاکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کو فرق نظر آسکے۔

۵۔ معیشت کی اصلاح کے لیے دل کڑا کر کے ایک بنیادی تبدیلی کا فیصلہ کر لیا جائے اور وہ ہے خود انحصاری۔ اس سلسلے میں زبانی کلامی تو بہت کچھ ہوا ہے مگر ۱۹۵۵ سے آج تک ساری پالیسی سازی کا رخ بیرونی امداد' قرضوں اور سرمائے کے حصول کی طرف رہا ہے جس نے ہماری معیشت محکومی کے ایک نظام جبر میں جکڑ دیا ہے۔ اس زنجیر بد (vicious circle) کو ٹوٹنا چاہیے۔ یہ کام جادو کی چھڑی سے نہیں ہو سکتا۔

۶۔ نظام انتخاب کی اصلاح اور دستور کی دفعہ ۶۲' ۶۳ پر عمل کے لیے مناسب نظام کار کی تیاری اور اس کے مطابق نئے انتخابات کا انعقاد۔

یہ وہ کم سے کم اقدامات ہیں جو عوام کے اعتماد کے حصول اور ان کو نظام حکمرانی میں شریک کرنے اور موثر قوت بنانے کے لیے ضروری ہیں۔ ہم یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ موجودہ حکمرانوں کو دستور میں کسی ترمیم کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اسی دستور کے تحت سارے کام ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی دستوری ترمیم کی ضرورت ہے بھی' تو اسے عوام ہی دستوری ترمیم کے طریقے کے مطابق' مستقبل کے انتخابات کے بعد کریں۔ اس سے پہلے دستور میں ترمیم یا دستور کی تشکیل جدید کا دروازہ کھولنا بڑے فتنے کا باعث ہو گا جس سے احتراز ضروری ہے۔

تیسری بنیادی بات' جس پر مکمل یکسوئی کی ضرورت ہے' بیرونی طاقتوں سے تعلق اور ان پر انحصار سے متعلق ہے۔ آج کی دنیا میں ہر ملک کو دوستوں کی ضرورت ہے اور کوئی بھی مکمل تنہائی (isolation) کو لمبے عرصے تک برداشت نہیں کر سکتا۔ پاکستان بھی سب سے دوستی چاہتا ہے لیکن یہ دوستی پاکستان کی سلامتی اور اس کے بنیادی مفادات کے تحفظ کے فریم ورک میں ہی ہو سکتی ہے۔ بدقسمتی سے پاکستان کی خارجہ پالیسی ایک مدت سے امریکہ اور اس کے مفادات کی یرغمال (hostage) بن چکی ہے اور معاشی پالیسی بھی ایسے خطوط پر چلائی گئی کہ امریکہ کی گرفت معیشت اور خارجہ پالیسی دونوں پر سخت ہوتی چلی گئی۔ اب وقت آگیا ہے کہ اس سلسلے میں بھی بنیادی فیصلہ کر لیا جائے۔ مقصد کسی ملک سے بھی ٹکراؤ یا تناؤ (tension) کی فضا قائم رکھنا نہیں۔ لیکن ضروری ہے کہ اپنی سیاسی' معاشی اور تہذیبی آزادی کے تحفظ کے لیے ہم ایسی خارجہ پالیسی تشکیل دیں جو ایک طرف معروضی حقائق پر مبنی ہو' تو دوسری طرف ہمارے قومی مقاصد اور مفادات کی محافظ اور امین ہو۔

پاکستان کے بارے میں امریکہ' دولت مشترکہ اور یورپی اقوام نے اس وقت جو منفی رویہ اس وقت اختیار کر رکھا ہے اس نے اہل پاکستان کو ایک تاریخی موقع فراہم کیا ہے۔ دوست اور غیر دوست کھل کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے آگئے ہیں۔ غلط فہمیوں اور خیالی مفروضوں سے دامن چھڑانے کا وقت آگیا ہے۔ پاکستان ایک ایٹمی قوت ہے اور اگر ہم اپنی معیشت کو بین الاقوامی گرفت سے آزاد کر لیتے ہیں تو ہمارے لیے خارجہ پالیسی کو آزاد انداز میں مرتب کرنے اور چلانے کے غیر معمولی امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مسلمان عوام ہمارے سب سے سچے دوست ہیں اور جن ممالک میں حکومتیں بیرونی اثرات کے تحت ہیں، وہاں بھی مسلمان عوام پاکستان کے لیے محبت رکھتے ہیں۔ اگر ہماری خارجہ پالیسی میں عوام کی تائید کا حصول ایک اہم ہدف ہو تو وہاں کی حکومتیں بھی اس اندرونی دباؤ کو نظرانداز نہیں کر سکتیں۔ بدقسمتی سے جو "بابو" خارجہ پالیسی بنانے کے ذمہ دار رہے ہیں، وہ خارجہ سیاست سے اس انقلابی پہلو کا ادراک ہی نہیں کر سکتے۔ جنرل پرویز مشرف کے حالیہ دورہ ترکی میں یہ پہلو بہت کھل کر سامنے آیا۔ ترک عوام پاکستان کے ساتھ ہیں لیکن ہمارے پالیسی ساز وقتاً فوقتاً ایسی حماقت کرتے رہتے ہیں جو عوام کی توقعات پر پانی پھیر دیتی ہے۔ ترکش ڈیلی نیوز کے ۱۰ اور ۱۱ نومبر کے شماروں میں اس روزنامے کے نمایندے کی رپورٹ اور اداریے کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سفارت کار زمینی حقائق سے کتنے ناواقف اور مسلمان امت کے احساسات اور عزائم سے کتنے ناآشنا ہیں اور محض اپنی ناحقیقت پسندی کی وجہ سے کیسے کیسے زریں مواقع کو ضائع کر رہے ہیں۔ خارجہ پالیسی کی سمت بدلے بغیر ہم عالمی غلامی کے نئے جال سے نہیں نکل سکتے۔

امریکہ کے بارے میں بھی واضح سوچ (clear thinking) کی ازحد ضرورت ہے۔ امریکہ کے عالمی مقاصد اور ہمارے قومی مقاصد اس وقت ہم آہنگ نہیں۔ ویسے وہ کبھی بھی ہم آہنگ نہ تھے اور امریکہ نے ہمیشہ اپنے مفاد کے لیے ہمیں استعمال کیا ہے۔ جب بھی آزمایش کی کوئی گھڑی آئی، اس نے پاکستان کے مفادات کو زک پہنچائی، لیکن اب تو بات اتنی واضح ہے کہ خارجہ تعلقات کی نئی بنیادوں کو استوار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

حال ہی میں جو امریکی دستاویزات شائع ہوئی ہیں، اور ان میں روئیداد خان کی مرتب کردہ کتاب The American Papers: Secret and Confidential, India Pakistan Bangla Desh Documents 1965-1973 (آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۹) کا مطالعہ بہت چشم کشا ہے۔ اس میں ڈین رسک سے لے کر ولیم روجر تک ہر امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ نے، بھارت کو امریکہ کے مفاد میں سب سے اہم ملک قرار دیا ہے اور صاف کہا ہے کہ جب بھی ہمیں پاکستان اور بھارت میں کسی ایک کو ترجیح دینا پڑے تو وہ بھارت ہونا چاہیے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جب ہماری امریکہ سے خصوصی دوستی (special relationship) تھی، سرد جنگ کی وجہ سے ہم اس کے لیے ناگزیر تھے اور بھارت روس کا حلیف تھا! اب تو دنیا کے حالات بالکل بدل گئے ہیں اور امریکہ کی ترجیحات مزید واضح ہو گئی ہیں۔ بھارت کی متعصب ہندو حکومت (بی جے پی) لبرل اور جمہوری حلیف ہے اور پاکستان کو ایک بنیاد پرست اور تشدد کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرپرست حکومت قرار دینے کی باتیں ہو رہی ہیں، اور ہماری خارجہ پالیسی ہے کہ اس میں اب بھی امریکہ پر انحصار کے چنگل سے نکلنے پر غور بھی نہیں کیا جا رہا ہے۔

حالات بدل چکے ہیں اور بدلے ہوئے حالات میں ہمیں بھی حقیقت پسندی کی بنیاد پر نئی خارجہ پالیسی مرتب کرنا ہو گی۔ اس کی بنیاد خود انحصاری، ملت اسلامیہ کا اتحاد، علاقائی نظاموں کی مضبوطی، عوام کی بیداری اور ان کا تحرک (moblization) پر ہونا چاہیے۔ معاشی میدان میں مغرب کی بالادستی پر مبنی عالم گیریت (globalisation) کے مقابلے میں، پاکستان اور امت مسلمہ کی اجتماعی خود انحصاری کو ترجیح دینا چاہیے۔ نئے خطوط پر خارجہ پالیسی کی تشکیل کے لیے یہ وقت غنیمت ہے۔ دیر ہو چکی ہے مگر مزید تاخیر بے حد خطرناک ہو گی۔ اس کے لیے گہرے سوچ بچار کی ضرورت ہے تاکہ نئے دروبست کی تشکیل ممکن ہو سکے۔ یہاں بھی اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے خیالات سے بڑی رہنمائی ملتی ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا:

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِآدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

مغرب کے بارے میں اقبال کا ذہن کتنا صاف تھا:

پیر مغاں فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اس میں وہ کیف غم نہیں، مجھ کو تو خانہ ساز دے

نیز

یہ زائران حریم مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا، جو تجھ سے ناآشنا رہے ہیں

اقبال نے ہماری حالت زار کا کتنا صحیح نقشہ کھینچا ہے:

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

اور معاشی محتاجی کے باب میں بھی اس کی تنبیہہ کتنی صحیح تھی:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اب ہم جس مقام تک پہنچ چکے ہیں اس کے بعد معاشی خود انحصاری اور آزاد خارجہ پالیسی کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ اس بارے میں حکومت اور قوم یکسو ہو اور جو قیمت بھی ادا کرنی پڑے، سوچ سمجھ کر بہ خوشی ادا کی جائے، پورے ایمان اور شعور کے ساتھ اپنی راہ خود طے کی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالات کا جائزہ جس پہلو سے بھی لیں، بات بالآخر معیشت کی حالت زار پر آ جاتی ہے۔ کچھ کوتاہ نظر معاشی تباہی کا ہتوا دکھا کر مزید محکومی اور کاسہ گدائی کی گردش نو کا نسخہ تجویز کرتے ہیں۔ ہماری نگاہ میں یہ تباہی سے بچنے کا نہیں، خودکشی اور مکمل تباہی کا راستہ ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس بات کو بھی نئی قیادت کے سامنے بالکل صاف الفاظ میں رکھ دیں کہ معاشی حکمت عملی کو یکسر تبدیل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

پہلے چند بنیادی حقائق ذہن میں تازہ کر لیں:

گذشتہ تیرہ سال سے بنیادی صنعتوں اور معاشی انفراسٹرکچر میں کوئی نمایاں اضافہ نہیں ہوا، بلکہ بیمار صنعتوں کی تعداد ہر سال بڑھ رہی ہے۔ سرکاری شعبے کا کردار سکڑ بھی رہا ہے اور خسارے کا بھی شکار ہے۔ زراعت نے معیشت کو سہارا دے رکھا ہے مگر زراعت خود بحران کا شکار ہے اور اس وقت خوراک اور اشیائے خوردنی کے باب میں تقریباً ۲ ارب ڈالر سالانہ کی درآمدات کرنا پڑ رہی ہیں۔ تیل کے سلسلے میں اچھی پیش رفت کے بعد پھر رجعت قہقری شروع ہو گئی اور ایک تہائی ملکی ضرورت کے لیے خود کفالت حاصل کرنے کے بعد پھر ہم پیچھے رہ گئے ہیں اور اس وقت ایک ارب ڈالر سالانہ سے زیادہ کا تیل درآمد کیا جا رہا ہے۔ برآمدات بار بار کی تخفیف قدر کے باوجود بڑھ نہیں سکی ہیں اور اب تو چار سال سے تقریباً ۸ ارب ڈالر سالانہ پر آکر رک سی گئی ہیں جس کے نتیجے میں تجارتی خسارہ بڑھ رہا ہے۔ بیرونی قرضوں کا بار ہمالیہ صفت ہوتا جا رہا ہے اور ستم یہ ہے کہ ایک مدت سے نئے قرض صرف اس ضرورت کے تحت لیے جا رہے ہیں کہ پرانے قرضوں کو ادا کر دیا جائے۔ بیرونی قرضے اس وقت ۳۲ ارب ڈالر سے متجاوز ہیں اور اگر متوقع قرضوں اور دوسری ذمہ داریوں (liabilities) کو شامل کیا جائے تو یہ بوجھ ۴۲ ارب ڈالر تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سال صرف بیرونی اور ملکی قرضے واپس کرنے کی ادائیگی کی مد میں جو رقم صرف کی جا رہی ہے وہ ۳۰۰ ارب روپے سے متجاوز ہے، جو مرکزی آمدنی کے ۶۰ فی صد کے قریب ہے۔ اگر دفاع کے اخراجات کو جو اس خرچ کا نصف ہیں، شامل کر لیا جائے تو کل آمدنی کا ۹۰ فی صد صرف سود کی نذر اور دفاع پر صرف ہو جاتا ہے۔ پھر انتظامی اخراجات اور ترقیاتی منصوبوں کے لیے وسائل باقی ہی کہاں رہتے ہیں جو ملکی ترقی کی گاڑی آگے بڑھے! اس پر مستزاد کرپشن، کمیشن اور قرض نادہندگی ہے۔ جو تھوڑی بہت رقم تعلیم اور سماجی ترقی کی مد میں خرچ کرنے کے لیے رکھی جاتی ہے، اس کا بھی ایک بڑا حصہ نااہلی، اقربا پروری اور غیر ذمہ داری کی نذر ہو جاتا ہے اور عوام اس کے فائدوں سے محروم ہی رہ جاتے ہیں۔

ان حالات میں اگر کچھ نئے قرضے لے بھی آئیں یا چند سرمایہ کاروں کو غیر معمولی سہولتیں دیں (جیسا کہ IPP یا ڈائیوو کے سلسلے میں کیا گیا) تو کیا حاصل ہو گا؟

صاف نظر آتا ہے کہ جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے، اس کا کسی نئی شکل میں جاری رہنا ہمارے مسائل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حل نہیں۔ اسی عطار کی دوا (more of the same) کی اب کوئی گنجایش نہیں۔ بنیادی تبدیلی کے بغیر اس گرداب سے نہیں نکلا جا سکتا۔۔۔ پھر راستہ کیا ہو؟

۱۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کی معیشت کا اس وقت تقریباً ۴۰ فی صد غیر رسمی معیشت (informal economy) کی صورت میں ہے جس کا شمار بڑی حد تک قومی پیداوار میں ہوتا ہی نہیں۔ یہ غیر رسمی معیشت ہماری دولت اور قیمتی اثاثے ہیں' ان کی وجہ سے ملک مکمل تباہی سے بچ گیا ہے اور عوام فقروفاقہ کا شکار نہیں ہوئے۔ یہ ہماری قوت کا سرچشمہ ہے۔ اسے دستاویزبندی (documentation) کے نام پر تباہ نہ کیا جائے بلکہ سوچا جائے کہ اسے کیونکر مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ حکومت کا کام محض ٹیکس وصول کرنا نہیں' ملک میں معاشی سرگرمی کو فروغ دینا ہے جس سے روزگار پیدا ہو' ضرورت کی اشیا اور خدمات کی پیداوار اور فراہمی ہو' اور عوام اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ صنعتی سیکٹر میں بھی' بڑی صنعت کی پیداوار کی شرح میں اضافہ گذشتہ ۱۵ سال سے چھوٹی صنعت کی پیداوار کی شرح اضافہ سے نصف یا اس سے بھی کم رہا ہے۔ لطف یہ ہے کہ چھوٹی صنعت کی پیداوار کی شرح جاننے کا کوئی سائنسی طریقہ نہیں' اسے بڑی حد تک فرض (assume) کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ چھوٹی صنعت ہی نے ملکی معیشت کو زندہ رکھا ہوا ہے اور اگر اسے صحیح محرکات فراہم کیے جائیں تو ملک نہ صرف خود کفالت بلکہ برآمدات میں اضافے کی طرف بڑھ سکتا ہے۔ بھارت میں اس وقت اس کی کل برآمدات میں چھوٹی صنعت کا حصہ تقریباً ۲۰ فی صد ہے جب کہ ہمارے یہاں یہ دو چار فی صد سے زیادہ نہیں۔ چھوٹی صنعت اور غیر رسمی معیشت کی ترقی ایک اہم ترجیح ہونی چاہیے۔

۲۔ زراعت مسلسل غفلت کا شکار رہی ہے۔ جاگیرداری اور بڑی زمین داری آج بھی مسلط ہے اور تقریباً ۶ ہزار خاندان کل زیر کاشت رقبہ کے ۴۰ فی صد پر قابض ہیں۔ زرعی inputs کے باب میں دوبارہ حصول (retrieval) کی کوئی پالیسی نہیں۔ زرعی بیج کی قیمت اس شے کی زرعی پیداوار سے ۴ گنا زیادہ ہے۔ پانی کی فراہمی کا نظام درہم برہم ہے۔ بھارت میں پنجاب اور ہریانہ کی زمینوں سے فی ایکڑ پیداوار ہمارے پنجاب اور سندھ کی پیداوار سے ۴ گنا زیادہ ہے۔ زمین اور کاشت کار کی محنت میں فرق نہیں' لیکن پالیسی' سہولتوں اور محرکات کے فرق نے اتنا فرق کر دیا ہے۔ ہم زراعت میں ۲' ۳ سال میں خود کفیل ہو سکتے ہیں لیکن آج ہماری کل درآمدات کا ۲۰ فی صد زرعی اجناس پر مشتمل ہے۔ ایک طرف عام کاشت کار ہے جس کو اپنے اخراجات پورے کرنا مشکل ہو گیا ہے اور دوسری طرف ایک مخصوص طبقہ ہے جو نہ صرف عیش و عشرت میں مگن ہے بلکہ ظلم اور ناانصافی کے نظام کا پشتی بان بھی ہے۔ بنیادی زرعی اصلاحات اور نئی زرعی پالیسی حالات کو چند سال میں بدل سکتے ہیں۔

۳۔ قرضوں کا بوجھ اس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں ان کی واپسی ناممکن ہوتی جا رہی ہے۔ اس بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں انفرادی اور اجتماعی سیاسی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ قرضوں کی ادائیگی پر مہلت moratorium اور ۵ سال کے بعد ادائیگی کے نئے شیڈول کی تیاری ہی معقول راستہ ہو سکتے ہیں۔ دنیا کے متعدد ممالک نے یہ راستہ اختیار کیا ہے۔ جنوبی امریکہ کے تیرہ ممالک نے مل کر دباؤ ڈالا اور قرضوں کی نئی شیڈولنگ کرائی۔ ورلڈ بنک کے ایک حالیہ جائزے کی روشنی میں ورلڈ بنک، آئی ایم ایف، آئی ایف سی، علاقائی بنکوں اور دوسرے اداروں سے ۱۳۲ بار ری شیڈولنگ کی جا چکی ہے۔ پاکستان کو اس سلسلے میں ایک بڑا فیصلہ کرنا ہو گا۔

ہماری معیشت کا باہر کی دنیا پر انحصار محدود ہے۔ کل درآمدات اور برآمدات مل کر قومی دولت کا ۱۵ فی صد بنتے ہیں۔ درآمدات میں صرف چار چیزوں پر خطیر رقوم صرف ہو رہی ہیں یعنی اشیاے خوردنی اور خوردنی تیل (تقریباً ۲ ارب ڈالر سالانہ)، تیل اور پٹرولیم مصنوعات (۱ ارب ڈالر سالانہ) اور تقریباً یہی ۳ ارب ڈالر ہمارا تجارتی خسارہ ہے۔ اگر ہماری درآمدات اور برآمدات برابر ہو جائیں تو ہم جتنا زرمبادلہ کمائیں گے اتنا ہی خرچ کرنے لگیں گے اور اس طرح بیرونی وسائل پر انحصار ختم کیا جا سکے گا۔

۴۔ ملکی معیشت کا اصل مسئلہ مزید قرضے حاصل کرنا نہیں بلکہ ملک میں پیداوار بڑھنا اور پیداآوری (productivity) میں اضافے کا حصول ہے۔ معاشی ڈھانچے کو ازسرنو مضبوط کرنا اور ترقی دینا ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے خود اپنے عوام کا، اپنے تاجروں، کاشت کاروں، صنعت کاروں کا اعتماد بحال کرنے اور انھیں پیداآوری عمل میں مصروف کرنے کی ضرورت ہے۔ ملکی معیشت اور عالمی رجحانات کے مطالعے کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ محض اندھی نج کاری مسائل کا حل نہیں۔ ملک میں بنک کاری کا نظام بحران میں مبتلا ہے اور اسٹاک ایکسچینج کی بنیاد اتنی مختصر ہے کہ اس کی روشنی میں محض نج کاری کی گردان کرنے سے مسائل حل نہیں ہوں گے بلکہ خطرہ ہے کہ ملک کی معیشت بیرونی سرمایہ کاروں اور قماربازوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔ آنکھیں بند کر کے سرکاری شعبے کو نجی شعبے میں بدلنا زیادہ مفید نہیں ہو گا۔ سرکاری شعبے کا ایک کردار ہے اور اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس کے کام کرنے کے انداز کو بدلنا ہو گا۔ اس کی تشکیل نو (restructuring) کی ضرورت ہے۔ اس میں نئی انتظامیہ (management teams) لانے اور بیرونی دنیا کے مختلف تجربات کو سامنے رکھ کر اداراتی اصلاحات کا راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مناسب تحفظات کے ساتھ سرکاری شعبہ معاشی ترقی کے لیے نیا محرک بن سکتا ہے اور اسے ایک خاص حکمت کے ساتھ اندرونی مسابقت اور بیرونی مسابقت دونوں کے لیے کھولا جا سکتا ہے۔ ایک بڑے ادارے کو کئی اداروں میں تقسیم کر کے اندرونی مسابقت کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ واپڈا اور کے ای ایس سی کا انضمام کوئی اچھی حکمت عملی نہیں۔ خود واپڈا کے علاقے اور کام (function) کی بنیادوں پر تنظیم نو کی جا سکتی ہے اور اسے زیادہ مستعد اور فعال بنایا جا سکتا ہے۔ نجی شعبہ اور سرکاری شعبہ دونوں کو معاشی ترقی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے متحرک اور منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ نج کاری کے کام پر ہم کم از کم ۱۲ سال ضائع کر چکے ہیں۔ نہ نج کاری ہوئی اور نہ سرکاری شعبے کو کسی دوسری بنیاد پر ازسرنو منظم کرنے کی کوئی سعی ہو سکی۔ اس مخمصے سے نکلنا بہت ضروری ہے۔

۵۔ بنک کاری کی اصلاح، مرکزی بنک کا احتساب اور نیا کردار اور چھوٹے کاشت کار، تاجر اور صنعت کار کے لیے چھوٹے قرضوں کی فراہمی کا متبادل نظام بھی وقت کی ضرورت ہے۔ سود کی لعنت سے نجات اور متبادل بنیادوں میں مالیاتی نظام کی تشکیل سے بھی بڑا فرق واقع ہو سکتا ہے اور بالکل ایک نیا باب شروع ہو سکتا ہے بشرطیکہ یہ کام پوری دیانت، محنت اور عوام کے تعاون سے انجام دیا جائے۔

۶۔ کرپشن کا سدباب اور لوٹی ہوئی دولت کی واپسی بھی اس حکمت عملی کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس سلسلے میں ہم پہلے بھی اپنے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔ میری نگاہ میں اگر کرپشن کا موثر سدباب ہو جائے تو موجودہ سرکاری آمدنی میں ۲۵ سے ۵۰ فی صد اضافہ ممکن ہے۔ اصل ضرورت نئے ٹیکس لگانے کی نہیں بلکہ ٹیکس صحیح طور پر وصول کرنے اور ٹیکس کی ادایگی کی فضا بنانے کی ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ٹیکس دینے والوں کو فیصلہ سازی میں شریک کیا جائے اور ٹیکس آمدنی کو ایسے شفاف انداز میں خرچ کیا جائے کہ ٹیکس دینے والے اور عوام اس کے مثبت اثرات کو دیکھ سکیں۔ ٹیکس کا ایک بنیادی اصول عوام کی مرضی ہے: رضامندی کے بغیر کوئی ٹیکس نہیں (no taxation without consent)۔ اسی لیے جمہوریت میں ٹیکس لگانے کا حق صرف منتخب نمایندوں کو ہوتا ہے جس کا مقصد ٹیکس دینے والوں کی مرضی اور اعانت ہے۔ ہمارے یہاں یہ رشتہ بالکل ختم ہو چکا ہے، اسے بحال کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ٹیکس کے نظام کو بدعنوانیوں سے پاک کیا جا سکے تو کوئی وجہ نہیں کہ کم شرح کے باوجود زیادہ آمدنی کا حصول ممکن نہ ہو۔ استعماری دور کے رسم و رواج سے نجات اور ایک نئے ٹیکس کلچر کی ضرورت ہے تاکہ ٹیکس گزاروں کی بنیاد وسیع ہو سکے۔ شرح ٹیکس معقول ہو، سرکاری اخراجات جائز طریقے سے اور عوام کی بہبود کے لیے ہو اور یہ سب کچھ چشم سر سے نظر آسکے۔ پھر دیکھیے لوگوں کا رویہ کس طرح بدلتا ہے۔

۷۔ عالمی معاشی اثراندازیوں سے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ علاقائی سطح پر معاشی منصوبہ بندی اور تنظیم کاری کی فکر کی جائے۔ پاکستان کی بڑی اسٹرے تیجک اہمیت ہے۔ ایران، افغانستان اور پاکستان کے درمیان بڑی معاشی مناسبتیں (complementalities) ہیں۔ وسط ایشیا اور غربی ایشیا سے معاشی تعاون کا بڑا امکان ہے۔ چین اور پاکستان کے درمیان معاشی تعاون کے لیے وہ کوششیں نہیں ہوئیں جو سیاسی اور عسکری تعاون میں ہوئی ہیں۔ عالمی معاشی حالات جس رخ پر جا رہے ہیں ان تمام ممالک کے لیے ناگزیر ہو جائے گا کہ علاقائی تعاون کے ذریعے مغربی سرمایہ داری اور معاشی استعمار کی یلغار کو روکیں اور اپنی حفاظت کریں۔ اس کے لیے جتنی جلدی اور مستعدی سے منصوبہ بندی اور گفت و شنید کا آغاز کیا جائے اتنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی مفید ہو گا۔

یہ وہ چند خطوط ہیں جن پر ایک متبادل معاشی حکمت عملی استوار کی جا سکتی ہے اور یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر موجودہ دلدل سے نکلنا ممکن ہو سکے گا۔ جو چیزیں دلدل میں لے گئی ہیں' انھی کو اختیار کرنے کے معنی تو یہ ہیں کہ ہم اسی دلدل میں مزید دھنستے چلے جائیں۔ یہ زندگی اور ترقی کا نہیں' تباہی کا راستہ ہو گا۔

یہ سارا کام غلامانہ ذہن کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ یہ کام صرف ٹیکنو کریٹس بھی نہیں کر سکتے۔ پالیسی سازی کے لیے ٹیکنو کریٹس کا تعاون اور تجربہ بہت ضروری ہے لیکن جس طرح چلنے کے لیے دو ٹانگیں درکار ہیں اسی طرح پالیسی سازی کے لیے فنی مہارت اور تجربے کے ساتھ عوام سے ربط' ان کے مزاج' حالات' کوائف' رجحانات' احساسات' تمناؤں' خدشات اور تحفظات کا علم بھی ضروری ہے۔ پالیسی نہ خلا میں بنتی ہے اور نہ خلا میں نافذ کی جاتی ہے۔ عوام سے باہمی تعامل (inter action) کے بغیر پالیسی سازی یک رخی اور غیر حقیقت پسندانہ رہتی ہے اور یہی ہماری خرابی رہی ہے۔ حکومت کے وہ دور جن کو جمہوری کہا جاتا ہے ان میں بھی قیادت کا عوام سے ربط و تعلق اور عوام کے ردعمل کا لحاظ (feed back) نہ ہونے کے برابر تھا۔ فوجی حکومت میں یہ خطرہ مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے صرف پریس اور میڈیا کی آزادی کافی نہیں ہے' عوامی شرکت بھی ضروری ہے۔ اس کے لیے طاقت کی منتقلی (devolution of power) بھی ضروری ہے۔ ہر سطح پر پالیسی سازی میں ان لوگوں کی شرکت بھی ضروری ہے جو عوام میں سے ہوں' عوام میں اٹھتے بیٹھتے ہوں' اور پالیسیوں کے عوامی اثرات کو جان سکتے ہوں اور ان کی روشنی میں پالیسی سازی پر اثرانداز ہو سکتے ہوں۔ دستور میں جتنی صوبائی مختاری اور اختیارات کی تقسیم موجود ہے اس کے ۸۰ فی صد پر عمل نہیں ہوا۔ اگر اس پر عمل ہو تو مرکز میں کم از کم ۱۴ وزارتیں ایسی ہیں جن کا کوئی جواز نہیں۔ پھر جب تک ٹیکس لگانے اور ٹیکس سے حاصل ہونے والی آمدنی صرف کرنے اور اس کی جواب دہی کرنے کا عمل صوبائی اور مقامی سطح پر نہیں پہنچتا' تقسیم اختیارات بے معنی ہو گی۔

چند بنیادی اصلاحات کی فوری ضرورت ہے: ایک طرف دستوری ڈھانچے کو فی الحال بدلے بغیر مرکز' صوبے اور ضلع کی سطح پر ایسے موثر نظام کا قیام جو اپنے اپنے دائرے میں سیاسی فیصلہ کرنے' ٹیکس لگانے' ترقیاتی پروگرام اور سماجی خدمات بڑی حد تک خود انحصاری اور خود مختاری کے انداز میں روبہ عمل آسکیں۔ ضلع کی سطح پر ایسا منتخب نظام ہونا چاہیے جس میں ضلع کا سربراہ (ناظم / ڈپٹی گورنر) منتخب ہو اور ہر دو سال بعد دوبارہ انتخاب ہو۔ انتظامیہ اس کے اور اس کی منتخب کونسل کے ماتحت ہو اور نظم و نسق' ترقیات' تعلیم'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحت، ٹرانسپورٹ کا نظام اس سطح پر مناسب اداروں (authorities) کے ذریعے کام کرے۔ اس سطح پر ٹیکس کا اختیار بھی دیا جائے۔ یہ سارا کام مناسب قانون سازی کے ذریعے کسی دستوری ترمیم کے بغیر ہو سکتا ہے۔ اس کے اوپر صوبے کا نظام ہو اور مرکز ان کاموں تک اپنے آپ کو محدود رکھے جو دستور میں اسے دیے گئے ہیں۔ اس اداراتی (institutional) اور ہیئتی (structural) تبدیلی کے ساتھ مرکز، صوبہ اور ضلع ہر سطح پر عوامی شرکت کا اہتمام ہو--- فوری طور پر عوام ہی سے نیکوکار، اچھی شہرت والے لوگوں کو پالیسی سازی میں شریک کیا جائے اور بالآخر انتخابی نظام کی ہر سطح پر بحالی کے ذریعے ٹیکنوکریٹس اور عوامی نمایندوں کے باہمی اشتراک ہی سے کوئی اچھا نظام چل سکتا ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جو نظام بھی ہو وہ شفاف ہو، کھلے انداز میں حکمرانی کی ذمہ داریاں خدمت کے جذبے سے انجام دی جائیں۔ جواب دہی کا نظام موجود ہو، محنت کا پورا پورا حق ادا کیا جائے لیکن کرپشن کا ہر دروازہ اور دریچہ بند کر دیا جائے۔ یہ سارا کام قانون اور جبر کے ذریعے نہیں بلکہ عوام کی مرضی اور مادی محرکات کے ساتھ ساتھ اخلاقی، دینی اور قومی جذبات کو بھرپور انداز میں انگیز کر کے انجام دیے جائیں۔ حالات خواہ کتنے بھی خراب ہوں، نہ ہم اللہ سے ناامید ہیں اور نہ اپنی قوم سے۔

آپ قوم کے اچھے جذبات و احساسات کو انگیز کریں اور دیکھیں کہ یہ قوم کس طرح زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہو جاتی ہے۔ آپ اس زبان میں بات کریں جو یہ قوم سمجھتی ہے، ان محرکات کو موثر بنائیں جن سے اس کی تاریخی روایات وابستہ ہیں، اسے یہ امید دلائیں کہ اس کے دن بدل جائیں گے اور اس کی امنگیں اور آرزوئیں پوری ہو سکیں گی، اسے سواری کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ خود شہ سواری کر سکے گی تو آپ انھی عوام کو ایک نئے رنگ میں دیکھیں گے اور نئی رفعتوں کی طرف پیش قدمی کر سکیں گے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

© rasailojaraid.com